ماہ رمضان میں نزول قرآن : ایک جائزہ

مولانا ناظم علی خیرآبادی

قرآن کریم کلام اللہ ہے، دنیاوی اور اخروی حیات کا مکمل دستور العمل اور نظام زندگی ہے اور بارگاہ رب العزت کی جانب سے نازل ہونے والی آخری باقی رہنے والی کتاب ہے۔ اس میں حق وحقانیت کا بیان ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے جبرئیل امین کے ذریعہ اپنے آخری رسولؐ پر نازل کیا ہے اور پیغمبر ختمی مرتبتؐ کی رسالت کو انسانوں کی نظر میں یقینی بنانے کیلئے آنحضرتؐ کو معجزہ کے طور پر عطا کیا ہے۔ یہ وہ زندہ جاوید معجزہ ہے جس کا جواب کسی عہد اور زمانہ میں نہیں پیش کیا گیا اور نہ پیش کیا جاسکتا ہے۔

قرآن آیات وسورتوں کا مجموعہ ہے جس میں باطل کا گزر نہیں ہے۔ وحی الٰہی کے اس مکمل مجموعہ میں کسی طرح کی تحریف وتبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ سورہ انعام کی آیت ۱۹ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ۔

ترجمہ: اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ اس کے ذریعہ میں تمھیں اور جہاں تک یہ پیغام پہنچے سب کو ڈراؤں۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿﴾ وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿﴾

ترجمہ: اور تمہارا پروردگار بہت بڑا عزت والا اور مہربان ہے۔اور یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے نازل ہونے والا ہے۔اسے جبرئیل امین لے کر نازل ہوئے ہیں۔یہ آپ کے قلب پر نازل ہوا ہے تاکہ آپ لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں۔یہ واضح عربی زبان میں ہے[۱]۔

قرآن مجید وحی کے طریقہ پر نازل ہوا ہے۔اس لئے وحی کے بارے میں بھی علم ہونا چاہئے۔علمائے لغت نے وحی کے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔وحی کے ایک معنی اشارہ کے ہیں۔علامہ راغب اصفہانی تحریر کرتے ہیں:

اَصْلُ الْوَحْيِ اَلاِشَارَةُ السَّرِيعَةُ۔

ترجمہ: وحی ایک پوشیدہ پیغام ہے جو اشارہ اور تیزی کے ساتھ انجام دیا جاتا ہے۔[۲]

اور ابو اسحاق کا بیان ہے:

اَصْلُ الْوَحْيِ فِيْ اللُّغَةِ كُلِها اِعْلَامٌ فِي خِفَا وَلِذٰلِكَ سُمِّيَ الْاِلْهَامُ وَحْياً۔

ترجمہ: وحی کا لغوی معنی پوشیدہ پیغام ہے۔اسی وجہ سے الہام کو بھی وحی کہا جاتا ہے۔

ابن منظور نے لسان العرب میں بھی یہی معنی بیان کئے ہیں[۳]۔قرآن مجید میں لفظ وحی چار معنی میں استعمال ہوا ہے:

۱۔سورہ شعرا، آیت ۱۹۱تا۱۹۵

۲۔راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص ۵۱۵

۳۔لسان العرب، ج ۱۵، ص ۳۸

۱۔ **پوشیدہ اشارہ**: جسے لغوی معنی کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ جناب زکریاؑ کے سلسلہ میں قرآن میں آیا ہے:

فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَن سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا۔

ترجمہ: اس کے بعد زکریا محراب عبادت سے قوم کی طرف نکلے اور انہیں اشارہ کیا کہ صبح وشام اپنے پروردگار کی تسبیح کرتے رہو[۱]۔

۲۔ **ہدایت غریزی**: جو تمام موجودات کی طبیعت میں ودیعت ہے۔ اس ہدایت طبیعی کو قرآن میں وحی کہا گیا ہے:

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ۞ ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا۔

ترجمہ: اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کو اشارہ دیا کہ پہاڑوں اور درختوں اور گھروں کی بلندیوں میں اپنے گھر بنائے۔ اس کے بعد مختلف پھلوں سے غذا حاصل کرے اور نرمی کے ساتھ خدائی راستہ پر چلے جس کے بعد اس کے شکم سے مختلف قسم کے مشروب برآمد ہوں گے۔[۲]

۳۔ **الہام یا غیبی آواز**: یعنی انسان پیغام کو حاصل کرتا ہے لیکن اس کے منشاء کو نہیں جانتا تو پس پردہ سے غیبی آواز انسان کی مدد کرتی ہے۔

۴۔ **وحی رسالی**: یہ نبوت سے مخصوص ہے۔ اس وحی کا ذکر قرآن مجید میں ستر بار سے زیادہ آیا ہے۔ سورہ شوریٰ، آیت ۷ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا۔

۱۔ سورہ مریم، آیت ۱۱ ۲۔ سورہ نحل، آیت ۶۸۔۶۹

ترجمہ: اور ہم نے اسی طرح آپ کی طرف عربی زبان میں قرآن کی وحی بھیجی تاکہ آپ مکہ اور اس کے اطراف والوں کو ڈرائیں۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ۔

ترجمہ: پیغمبر ہم آپ کے سامنے ایک بہترین قصہ بیان کر رہے ہیں جس کی وحی اس قرآن کے ذریعہ آپ کی طرف کی گئی ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے آپ اس کی طرف سے بے خبر لوگوں میں تھے[1]۔

یقیناً انبیاء تکامل یافتہ ہوتے ہیں جو دریافت وحی کی آمادگی اپنے اندر فراہم کئے ہوتے ہیں۔ امام حسن عسکریؑ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ وَجَدَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ اَفْضَلُ الْقُلُوبِ وَاَوْعَاهَا فَاخْتَارَهُ لِنُبُوَّتِهِ۔

ترجمہ: خداوند عالم نے قلب پیغمبر کو بہترین پایا تو اپنی نبوت کیلئے منتخب کیا[2]۔

نیز پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيّاً وَلَا رَسُولاً حَتَّى يَسْتَكْمِلَ الْعَقْلَ وَيَكُونُ عَقْلُهُ اَفْضَلَ مِنْ جَمِيعِ عُقُولِ اُمَّتِهِ۔

ترجمہ: خداوند عالم نے کسی نبی و رسول کو مبعوث نہیں کیا مگر یہ کہ اس نے اپنی عقل کو کمال تک پہونچایا ہو اور اس کی عقل امت کے تمام لوگوں کی عقلوں سے افضل و برتر ہو[3]۔

۱۔ سورہ یوسف، آیت ۳

۲۔ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج ۱۸، ص ۲۰۵

۳۔ کلینی، محمد بن یعقوب، الکافی، ج ۱، ص ۱۳

نیز ملا صدرالدین شیرازی نے بیان کیا ہے کہ پیغمبر ابتدا میں اپنے باطنی کمال سے آراستہ ہوتا ہے اور یہ باطنی آراستگی اس کے ظاہر میں نمودار ہوتی ہے، گویا پیغمبر نے پہلا سفر خلق سے حق تک کا طے کیا پھر حق تک پہونچنے کے بعد حق سے مخلوق کی طرف واپس آیا۔[1]

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پیغمبر کو کس طرح یہ اطمینان ہوتاہے کہ جو کچھ ان تک پہونچاہے وہ وحی الٰہی ہے، شیطانی وسوسہ نہیں ہے؟اس سلسلہ میں امام صادقؑ کے صحابی زرارہ نے امامؑ سے دریافت کیاتوآپؑ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ اِذَا اتَّخَذَ عَبداً رَسُولاً اَنْزَلَ عَلَیْہِ السَّکِیْنَۃَ وَالْوَقَارَ فَکَانَ الَّذِی یَاتِیْہِ مِنْ قِبَلِ اللّٰہِ مِثْلُ الّذِی یَرَاہ بِعَیْنَیْہِ۔

ترجمہ: جب خداوند عالم کسی بندہ کو رسالت کیلئے منتخب کرتا ہے تو اس کو مخصوص سکون ووقار سے سرفراز کرتاہے، توجو چیزاس تک خدا کی جانب سے آتی ہے وہ ایسی ہی ہوتی ہے گویا وہ اسے اپنی آنکھ سے دیکھ رہاہوتاہے[2]۔

اور ایک دوسری حدیث میں بیان ہواہے کہ کس طرح پیغمبر یہ جانتے ہیں کہ وہ پیغمبر ہیں۔ امامؑ نے فرمایا:

کُشِفَ عَنْھُمُ الْغِطَاء۔ ترجمہ: ان سے پردہ اٹھادیئے جاتے ہیں[3]۔

دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتاہے کہ جب پیغمبر مبعوث ہوتے ہیں تو وہ مرحلہ علم الیقین سے گزرتے ہوئے مرتبہ عین الیقین کو طے کرتے ہوئے حق الیقین تک پہونچ جاتے ہیں تواس میں تعجب نہیں ہونا چاہئے کیونکہ پاکیزہ لوگ رسالت کیلئے مبعوث کئے جاتے ہیں۔

خداوند عالم نے ہر طرح کے تعجب اور بے جاتوہم کو ختم کرنے کیلئے سورہ نساء کی آیات ۱۶۴تا ۱۶۷میں ارشاد فرمایاہے:

۱۔ صدرالدین شیرازی، شرح اصول کافی، ج۱۳، ص ۴۵۴

۲۔ تفسیر عیاشی، ج۲، ص۲۰۱

۳۔ بحار الانوار، ج۱۱، ص۵۶

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾ رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾ لَّٰكِنِ اللَّهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنزَلَ إِلَيْكَ ۖ أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿١٦٦﴾

ترجمہ: اے محمدؐ! ہم نے تمہاری طرف اُسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی ہم نے ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ، عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف وحی بھیجی ہم نے داؤدؑ کو زبور دی۔

کچھ رسول ہیں جن کے قصے ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں اور کچھ رسول ہیں جن کا تذکرہ ہم نے نہیں کیا ہے اور اللہ نے موسیٰ سے باقاعدہ گفتگو کی ہے۔ یہ سارے رسول بشارت دینے والے اور ڈرانے والے اس لئے بھیجے گئے تا کہ رسولوں کے آنے کے بعد انسانوں کی حجت خدا پر قائم نہ ہونے پائے اور خدا سب پر غالب اور صاحب حکمت ہے۔ (یہ مانیں یا نہ مانیں) لیکن خدا نے جو کچھ آپ پر نازل کیا ہے وہ خود اس کی گواہی دیتا ہے کہ اس نے اسے اپنے علم سے نازل کیا ہے اور ملائکہ بھی گواہی دیتے ہیں اور خدا خود بھی شہادت کے لئے کافی ہے۔

قرآن کریم کے بیان کے مطابق وحی رسالی کی تین قسمیں قرار دی جاسکتی ہیں:

۱۔ **وحی مستقیم**: یعنی بغیر واسطہ کے قلب پیغمبر پر وحی کا القاء ہو۔

۲۔ **آواز پیدا کرنا**: پیغمبر کے کان میں اس طرح آواز کا پہونچنا کہ کوئی دوسرا اسے نہ سن سکے جیسے کوئی پس پردہ سے بات کرتا ہو۔ شب معراج جو وحی پیغمبر پر آئی وہ اسی انداز کی ہے۔

۳۔فرشتہ کے ذریعہ القائے وحی: جبرئیل امین وحی الٰہی کو قلب پیغمبر پر لاتے تھے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ۔

ترجمہ: اسے لے کر تیرے دل پر امانت دار روح اتری ہے۔[۱]

❖

قُلْ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ۔

ترجمہ: اِن سے کہو کہ جو کوئی جبرئیل سے عداوت رکھتا ہو، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ جبرئیل نے اللہ کے اِذن سے یہ قرآن تمہارے قلب پر نازل کیا ہے۔[۲]

ماہ رمضان کی وجہ تسمیہ

ماہ رمضان کو امام سجادؑ نے ماہ اسلام (شہر الاسلام) کا نام دیا ہے۔ یہ شہر اللہ ہے۔ یہ قمری سال کا نواں مہینہ ہے۔ اس کو ماہ رمضان کے نام سے موسوم کرنے کے سلسلے میں کتب اسلامیہ میں چند اقوال ملتے ہیں:

۱. رمضان رمض سے مأخوذ ہے جس کے معنی دھوپ کی شدت سے پتھر، ریت وغیرہ کے گرم ہونے کے ہیں۔ اسی لئے جلتی ہوئی زمین کو رمضا کہا جاتا ہے۔ جب پہلی بار روزے واجب ہوئے تو ماہ رمضان سخت گرمی میں پڑا تھا اور روزوں کی وجہ سے گرمی اور تپش کا احساس زیادہ ہوا تو اس مہینہ کا نام ماہ رمضان یعنی ماہ آتش فشاں پڑ گیا۔

پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّما سُمِّیَ رَمَضَانُ لِاَنَّه یَرْمِضُ الذُّنُوبَ۔

ترجمہ: ماہ رمضان کو رمضان اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ گناہوں کو جلا دیتا ہے۔[۳]

۱۔ سورہ شعراء، آیت ۱۹۳

۲۔ سورہ بقرہ، آیت ۹۷

۳۔ ری شہری، محمدی، میزان الحکمۃ، ج ۴، ص ۱۷۶، ح ۷۴۴۱

۲. رمضان رمضٰی سے اخذ کیا گیا ہے اور رمضٰی اس ابر و باراں کو کہا جاتا ہے جو موسم گرما کے آخر میں آئے جس سے گرمی کی شدت دور ہو جاتی ہے۔ یہ مہینہ گناہوں کے جوش کو کم کرتا ہے اور برائیوں کو دھو دیتا ہے۔

۳. یہ لفظ عربوں کے قول رَمَضتِ النَّصلُ سے لیا گیا ہے جس کے معنی دو پتھروں کے درمیان چھری، تلوار یا نیزہ کے پھل کو رکھ کر تیز کرنا ہے۔ عرب اس مہینہ میں اپنے ہتھیاروں کو تیز کرتے تھے تاکہ اشہر الحرام کے شروع ہونے سے پہلے ماہ شوال میں اپنی جنگ جویانہ طبیعت کے تقاضے پورے کر سکیں۔

۴. لفظ رمضان ارتماض سے مأخوذ ہے جس کے معنی قلق واضطراب محسوس کرنے کے ہیں، چونکہ اس مہینہ میں بھوک و پیاس کی وجہ سے بے چینی محسوس ہوتی ہے اس لئے یہ نام رکھا گیا۔

۵. لفظ رمضان مشتق نہیں ہے بلکہ اللہ کا نام ہے چونکہ اس مہینہ کو اللہ سے خصوصی نسبت ہے اس لئے یہ اللہ کی جانب منسوب ہو کر ماہ رمضان کہلاتا ہے۔

چنانچہ امام محمد باقرؑ نے ارشاد فرمایا:

لَاتَقُولُوا هٰذَا رَمَضَانَ وَلَا ذَهَبَ رَمَضَانَ وَلَاجَاءَ رَمَضَانَ فَاِنَّ رَمَضَانَ اِسْمٌ مِنْ اَسْمَاءِاللّٰهِ تَعَالٰى وَهُوَ عَزَّوَجَلَّ لَايَجِيْئُ وَلَايَذْهَبُ وَلٰكِنْ قُولُوا شَهْرَ رَمَضَانَ۔

ترجمہ: یہ نہ کہا کرو کہ یہ رمضان ہے یا رمضان گیا اور رمضان آیا کیونکہ رمضان اسمائے الٰہی میں سے ایک ہے اور اللہ کہیں آتا جاتا نہیں ہے لہٰذا ماہ رمضان کہا کرو[1]۔

ماہ رمضان اسی نسبت اور فیوض و برکات کے لحاظ سے تمام مہینوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے:

---

۱. ری شہری، محمدی، میزان الحکمۃ، ج ۴، ص ۱۷۶، ح ۷۴۴۲

قَدْ اَقْبَلَ اِلَیْکُمْ شَهْرُ اللهِ بِالْبَرَکَةِ وَالرَّحْمَةِ وَالْمَغْفِرَةِ شَهْرٌ هُوَ عِنْدَ اللهِ اَفْضَلُ الشُّهورِ وَاَیَّامُهُ اَفْضَلُ الْاَیَّامِ وَ لَیَالِیْهِ اَفْضَلُ اللَّیَالِی وَسَاعَاتُهُ اَفْضَلُ السَّاعَاة ۔

ترجمہ: تمہاری طرف اللہ کا مہینہ برکت، رحمت اور مغفرت کے ساتھ آگیا ہے۔ یہ مہینہ اللہ کے نزدیک تمام مہینوں سے افضل ہے۔ اس کے دن تمام دنوں سے اور اس کی راتیں تمام راتوں سے بہتر اور اس کے لحات تمام لمحوں سے افضل ہیں[1]۔

اس مہینہ کی راتوں میں ایک رات شب قدر (لیلۃ القدر) کے نام سے موسوم ہے جس میں بجالائے ہوئے اعمال و عبادات ہزار مہینوں کے اعمال سے بہتر ہیں۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے:

اَلْعَمَلُ الصالح فِیْهَا خَیْرٌ مِنَ الْعَمَلِ فِی اَلْفِ شَهْرٍ لَیْسَ فِیْهَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ۔

ترجمہ: اس رات میں عمل صالح کرنا ان ہزار مہینوں کے عمل سے بہتر ہے جس میں شب قدر نہ ہو۔[2]

ماہ رمضان میں نزول قرآن

کلام اللہ قرآن کریم شہر اللہ کی لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے جبریئل امین کے توسط سے قلب رسول اکرمؐ پر نازل ہوا۔ قرآن مبین آیتوں اور سورتوں کا مجموعہ ہے جو ہجرت پیغمبرؐ سے قبل و بعد مکہ و مدینہ میں مختلف مناسبتوں اور گوناگوں واقعات کے طریقے پر نازل ہوا۔ بعد میں اسے جمع کیا گیا۔ نزول قرآن کا سلسلہ تدریجی طور پر حیات مرسل اعظمؐ کے آخری دور تک جاری رہا۔

حیات پیغمبر ختمی مرتبتؐ کے زمانہ میں جب کوئی واقعہ پیش آتا یا مسلمانوں کے لئے کوئی مشکل ہوتی تو اسے دور کرنے یا کبھی ان سوالات کے جوابات کی صورت میں آیتوں کا مجموعہ یا سورہ نازل ہوا اسے اسباب نزول یا شان نزول سے تعبیر کیا گیا ہے جن کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔

۱۔ ری شہری، محمدی، میزان الحکمۃ، ج ۴، ص ۱۷۷، ح ۷۴۴۹

۲۔ شیخ صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۱۵۸

قرآن مجید کا یہ تدریجی نزول اسے دوسری آسمانی کتابوں سے الگ کر دیتا ہے کیونکہ دیگر آسمانی کتابیں جیسے کہ صحف ابراہیم والواح موسی، زبور وانجیل یکجا طور پر نازل ہوئے۔ اسی وجہ سے مشرکین اعتراض کرتے تھے:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً۔

ترجمہ: منکرین کہتے ہیں اِس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اتار دیا گیا؟[۱]۔

اس کے جواب میں ارشاد ہوا:

كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا۔

ترجمہ: ہم اسی طرح تدریجاً نازل کرتے ہیں تاکہ تمہارے دل کو مطمئن کر سکیں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر نازل کیا ہے[۲]۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنزِيلًا۔

ترجمہ: اور ہم نے قرآن کو متفرق بنا کر نازل کیا ہے تاکہ تم تھوڑا تھوڑا لوگوں کے سامنے پڑھو اور ہم نے خود اسے تدریجاً نازل کیا ہے۔[۳]

نزول قرآن کے تدریجی ہونے کی حکمت یہ تھی کہ پیغمبر اکرمؐ اور مسلمان یہ محسوس کریں کہ وہ برابر پروردگار کی مخصوص عنایت کی منزل میں ہیں اور ان کا رابطہ حق تعالیٰ سے استوار ہے۔

ماہ رمضان میں شب قدر سے نزول قرآن کا آغاز ہوا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ۔

۱۔ سورہ فرقان، آیت ۳۲

۲۔ سورہ فرقان، آیت ۳۲

۳۔ سورہ اسراء، آیت ۱۰۶

ترجمہ : ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل کے امتیاز کی واضح نشانیاں موجود ہیں۔[۱]

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوا:

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ﴿٣﴾ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ۔

ترجمہ : ہم نے اس قرآن کو ایک مبارک رات میں نازل کیا ہے۔ ہم بیشک عذاب سے ڈرانے والے تھے۔اس رات میں تمام حکمت و مصلحت کے امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے[۲]۔

اور تیسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ۔

ترجمہ : ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا[۳]۔

شب قدر کے بارے میں نظریات:

امامیہ کے نزدیک شب قدر دو راتوں کے درمیان محدود ہے۔ ماہ رمضان کی ۲۱ اور ۲۳ تاریخ۔ شیخ کلینیؒ نے حسان ابن مہران سے روایت کی ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے شب قدر کے بارے میں پوچھا تو امامؑ نے فرمایا کہ اسے ۲۱ و ۲۳ تاریخ میں تلاش کرو۔اور زرارہ نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کیا ہے کہ امامؑ نے فرمایا:

۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۸۵

۲۔ سورہ دخان، آیت ۳

۳۔ سورہ قدر، آیت ۱

"انیسویں شب شب تقدیر، اکیسویں شب تعیین اور تیئسویں شب ختم وامضائے امر کی شب ہے"۔[۱]

شیخ صدوقؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے مشائخ کا نظریہ اس امر پر متفق ہے کہ لیلۃ القدر شب ۲۳ ماہ رمضان ہے[۲]۔ وحی رسالی کا آغاز ہجرت سے تیرہ سال قبل (۶۰۹ عیسوی) ۲۷ رجب کو ہوا تھا لیکن آسمانی کتاب کے طور پر نزول قرآن میں تین سال کی تاخیر ہوئی۔ ان تین سالوں کو زمانہ فترت کہا جاتا ہے۔

اس زمانہ میں آنحضرتؐ پوشیدہ طور پر دعوت الی اللہ انجام دیتے رہے اور جب آیہ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ[۳] نازل ہوئی تو علانیہ دعوت کا حکم ملا۔[۴]

ابو عبد اللہ زنجانی کا بیان ہے کہ آیہ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ[۵] کے نزول کے بعد تین سال تک قرآن نازل نہیں ہوا، اسے فترت وحی کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے بعد قرآن بہ تدریج نازل ہوا جس پر مشرکین کو اعتراض بھی تھا کہ کیوں قرآن ایک بار میں نازل نہیں ہوا[۶]۔ تدریجی نزول قرآن کی مدت بیس سال ہے اور بعثت پیغمبر اکرمؐ کے تین سال بعد سے آغاز اور حیات مرسل اعظمؐ کے آخری دور تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

بیس سال میں قرآن کے نزول کی روایت کو مندرجہ ذیل کتابوں میں مطالعہ کیا جاسکتا ہے:

- ❖ تفسیر عیاشی، ج۱
- ❖ تفسیر قمی، ج۱
- ❖ اعتقادات صدوق
- ❖ الاتقان فی اعلام القرآن، سیوطی، ج۱

۱۔ وسائل الشیعہ، ج۷، باب ۳۲، التہذیب، شیخ طوسیؒ، ج۴، ص۳۳۰

۲۔ الخصال، ج۲، ص۱۰۲

۳۔ پس آپ اس بات کا واضح اعلان کردیں جس کا حکم دیا گیا ہے اور مشرکین سے کنارہ کش ہو جائیں (سورہ حجر، آیت ۹۴)

۴۔ سیرہ ابن ہشام، ج۱، ص۲۸۰؛ مناقب، ابن شہر آشوب، ج۱، ص۴۰

۵۔ اس خدا کا نام لے کر پڑھو جس نے پیدا کیا ہے۔ (سورہ علق، آیہ ۱)

۶۔ تاریخ القرآن، ص۹

- مستدرک علی الصحیحین، حاکم نیشاپوری
- البدایہ والنہایہ فی التاریخ، ابن کثیر، ج ۳
- تفسیر طبری، ج ۳
- طبقات ابن سعد، ج ۱
- بحار الانوار، ج ۱۸

ماہ رمضان میں قرآن کے علاوہ دوسری کتابیں بھی نازل ہوئی ہیں۔ جیسے ۶ رمضان کو توریت، ۱۲ رمضان کو انجیل اور ۱۸ رمضان کو زبور کا نزول ہوا۔

پہلی آیت اور سورہ کا نزول:

پہلی آیت اور سورہ کے نزول کے بارے میں تین نظریات پائے جاتے ہیں:

۱۔ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ سورہ علق کی ابتدائی تین یا پانچ آیتیں نازل ہوئیں جو بعثت پیغمبر سے ملی ہوئی ہیں۔ جب فرشتہ نے نازل ہو کر پیغمبر اکرمؐ سے کہا پڑھئے۔ رسول خداؐ نے فرمایا: کیا پڑھوں تو فرشتہ نے کہا اِقْرَأْبِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔

امام جعفر صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں:

اَوَّلُ مَانَزَلَ عَلٰی رَسُولِ اللّٰہِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِقْرَأْبِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ وَآخِرُ مَانَزَلَ عَلَیْہِ اِذَاجَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ۔[۱]

۲۔ایک گروہ کا قول ہے کہ سورہ مدثر پہلا سورہ ہے جو پیغمبر اکرمؐ پر نازل ہوا۔ چنانچہ ابن سلمہ سے روایت ہے کہ میں نے جابر ابن عبد اللہ انصاری سے سؤال کیا کہ کونسی آیت یا سورہ پہلی بار نازل ہوا؟ انھوں نے جواب دیا یَاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ۔ میں نے پوچھا کہ اِقْرَأْبِاسْمِ رَبِّکَ کا کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ جو بات میں نے پیغمبر اکرمؐ سے سنی ہے وہ تم سے بیان کرتا ہوں۔ میں نے پیغمبرؐ کو بیان کرتے

۱۔ اصول کافی، ج ۲، ص ۶۲۸؛ عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۶؛ بحار الانوار، ج ۹۲، ص ۳۹

ہوئے سنا ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے تھے کہ میں نے ایک مدت کوہ حرا میں گزاری۔ آخر میں پہاڑ سے نیچے آکر صحرا کے درمیان رہا تو ایک آواز سنی۔ چاروں طرف دیکھا، کوئی نظر نہ آیا۔ ناگہاں میں نے اسے دیکھا تو میرے جسم میں لرزہ پیدا ہوا۔ میں گھر جناب خدیجہ کے پاس آیا اور میں نے چادر اوڑھنے کی خواہش کی اس وقت یٰۤاَیُّهَا الۡمُدَّثِّرُ، قُمۡ فَاَنۡذِرۡ نازل ہوئی۔[1]

اس روایت سے کچھ لوگوں نے استفادہ کیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ پر ابتدائے وحی میں پہلا سورہ یہی سورہ مدثر نازل ہوا ہے لیکن روایت کے متن میں کوئی اشارہ اس امر کی جانب نہیں ہے کہ یہی پہلا سورہ نازل ہوا ہے۔ صرف جناب جابر نے اس حدیث سے اس کا استنباط کیا ہے۔

۳۔ ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ پہلا سورہ، سورہ حمد ہے جو پیغمبر اسلامؐ پر نازل ہوا۔ زمخشری کا بیان ہے کہ زیادہ تر مفسرین کا عقیدہ ہے کہ سب سے پہلے سورہ فاتحہ نازل ہوا۔

ان تینوں نظریات کے درمیان جمع کی یہ صورت ممکن ہے کہ سورہ علق کی ابتدائی تین یا پانچ آیات قطعی طور پر آغاز بعثت سے ملی ہوئی ہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اس کے بعد سورہ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، اور مکمل پہلا سورہ جو پیغمبرؐ پر نازل ہوا وہ سورہ حمد ہے اور سورہ علق یا سورہ مدثر کی چند آیتیں، آغاز میں سورہ کا عنوان نہیں ہوتا تھا اس لئے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ پہلا سورہ، سورہ حمد ہے جسے فاتحۃ الکتاب بھی کہا جاتا ہے۔

آخری آیت اور سورہ:

اہل بیت طاہرینؑ کی روایات میں آیا ہے کہ آخری سورہ، سورہ نصر ہے۔ اس سورہ میں شریعت و دین کی مطلق کامیابی کی بشارت دی گئی ہے کہ دین مستحکم اور استوار ہو گیا ہے اور لوگ گروہ در گروہ دین میں داخل ہو رہے ہیں۔

امام صادقؑ نے فرمایا:

"اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ آخری سورہ ہے جو پیغمبرؐ پر نازل ہوا ہے"[2]۔

۱۔ صحیح مسلم، ج۱، ص۹۹؛ مسند احمد، ج۳، ص۳۰۶

۲۔ سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، ج۱، ص۲۷

ابن واضح یعقوبی نے اپنی تاریخ میں تحریر کیا ہے کہ آخری آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ہے۔یہی نظریہ میرے نزدیک صحیح ہے۔ اس آیت کا نزول غدیر خم میں حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی ولایت کے اعلان پر ہوا۔[1]

نزول قرآن شب قدر میں:

اس بارے میں یہ سوال ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کا نزول تدریجی طور پر ہوا جو بیس سال کے عرصہ پر محیط ہے تو کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ قرآن شب قدر میں نازل ہوا ہے جیسا کہ قرآن میں صاف صاف بیان ہوا ہے اِنَّا اَنْزَلْنٰاهُ فِی لَیْلَةِ الْقَدر، اس سے شب قدر میں نزول اور تدریجی نزول کے درمیان تعارض پیدا ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں:

۱۔آغاز نزول قرآن شب قدر میں ہے جیسا کہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِی اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرآن [2] سے ظاہر ہے۔

بہت سے محققین نے اس نظریہ کو قبول کیا ہے۔ زمخشری نے تفسیر کشاف (ج ۱)، بیضاوی نے انوار التنزیل (ج ۱)، شیخ مفید نے شرح العقائد (ص ۵۸) اور سید مرتضیٰ نے مسائل طرابلسیہ میں اس بات کا ذکر کیا ہے۔

مفسرین نے لفظ قرآن کے نزول سے کامل قرآن مراد نہیں لیا ہے بلکہ ابتدائے نزول قرآن مراد لیا ہے۔ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرآن یعنی اس شب میں نزول شروع ہوا۔ مگر وہ لوگ جو ظاہر روایات کو مانتے ہیں وہ اس سے مختلف ہیں، البتہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ قرآن الفاظ، عبارت اور خصوصیات کے ساتھ یکجا اور ایک شب میں نہیں نازل ہوا۔

۱۔ تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۳۵

۲۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۸۵

۲۔دوسرے گروہ کا عقیدہ ہے کہ ہر سال شب قدر میں اس سال کی بنا پر یکجا قرآن نازل ہوتا رہا پھر وہی آیتیں سال کے اندر مناسبات وواقعات کے پیش نظر نازل ہوتی رہیں۔اس نظریہ کو اگر مان لیا جائے تو شہر رمضان اور لیلۃ القدر سے مراد تمام ماہ رمضان اور ہر سال کی شب قدر مقصود ہوگی۔

۳۔ تیسرا نظریہ یہ ہے اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآن سے مراد یہ ہے کہ ماہ رمضان کی شان اور اس کی فضیلت میں قرآن نازل ہوا ہے اور کچھ لوگوں کا قول ہے اُنْزِلَ صَوْمُه فِي الْقُرْآن یعنی رمضان المبارک میں روزہ قرآن میں نازل کیا گیا۔[1]

۴۔ کچھ لوگوں کا نظریہ ہے کہ زیادہ تر آیات قرآنی ماہ رمضان میں نازل ہوئیں،اس کا احتمال سید قطب نے پیش کیا ہے[2] لیکن یہ نظریہ ثابت نہیں ہے نیز یہ کہ یہ مخصوص نظریہ سورہ بقرہ کی آیت کیلئے ہے سورہ قدر اور دخان کیلئے نہیں۔ یہ تینوں سابق کے نظریات قابل قبول نہیں ہیں اور پہلا اور پانچواں نظریہ صحیح ہے۔

۵۔ پانچواں نظریہ یہ ہے کہ قرآن کے دو نزول ہیں۔ یکبارگی اور دوبارہ تدریجی۔شب قدر میں یکجا پورا قرآن پیغمبرؐ پر نازل ہوا۔ پھر پوری مدت رسالت میں دوبارہ بتدریج نازل ہوا۔ شیعہ روایات میں ہے کہ قرآن عرش سے آسمان چہارم پر اترا اور بیت معمور میں رکھا گیا۔ شیخ صدوقؒ نے اس نظریہ کو عقائد امامیہ کا جز مانا ہے۔انھوں نے تحریر کیا ہے:

نُزِلَ القرآنُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ جُمْلَةً وَاحِدَةً اِلٰى الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ فِي السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ۔ترجمہ: قرآن ماہ رمضان میں اور شب قدر میں ایک ساتھ بیت معمور میں نازل ہوا جو آسمان چہارم پر ہے۔[3]

قرآن کریم کے دفعتاً یا تدریجی طور پر نزول کے سلسلہ میں بزرگ علماء نے بہت سی توجیہات کی ہیں جن میں زیادہ تر احادیث کی تاویل پر مبنی ہیں۔ان میں سے چند توجیہات کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

۱۔ تفسیر طبرسی، ج۱؛ الکشاف، ج۱؛ تفسیر کبیر، ج۵

۲۔ فی ظلال القرآن، ج۲

۳۔ الاعتقادات، باب ۳۱

۱۔قرآن مجید کے دفعتاً شب قدر میں پیغمبرؐ پر نازل ہونے سے مراد پیغمبرؐ کو قرآن کے کلی مشتملات سے آگاہ کرنا ہے۔ یہ تاویل شیخ صدوقؒ کے کلام میں ہے کہ انھوں نے کہا ہے: اِنَّ اللّٰہَ اَعْطٰی نَبِیَّہُ الْعِلْمَ جُمْلَۃً۔ یعنی قرآن کے الفاظ اور عبارات شب قدر میں نازل نہیں ہوئے بلکہ صرف اس کا علم دیا گیا اور پیغمبرؐ اجمالی طور پر اس کے مشتملات سے آگاہ ہوئے۔

۲۔علامہ فیض کاشانی بیت معمور کو قلب پیغمبرؐ قرار دیتے ہیں کیونکہ آنحضرتؐ کا قلب مبارک خانہ معمور خدا ہے جو آسمان میں مادی دنیا کے مرتبہ چہارم میں ہے۔[1]

۳۔ابو عبد اللہ زنجانی کا بیان ہے کہ روح قرآن جو قرآن کا بلند مقصد ہے اور کلی پہلو کا حامل ہے وہ شب قدر میں قلب پیغمبرؐ پر متجلی ہوا۔ سورہ شعراء آیت ۱۹۳ میں ارشاد ہوتا ہے: نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِكَ۔ پھر مکمل مدت نبوت میں پیغمبرؐ کی زبان مبارک پر ظاہر ہوا وَقُرْآناً فَرَقْنَاہُ لِتَقْرَأَہُ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُکْثٍ وَّنَزَّلْنَاہُ تَنْزِیلاً۔[2]

۴۔علامہ طباطبائی نے اسی تاویل کو لطیف ترین انداز میں پیش کیا ہے:

"بنیادی طور پر قرآن ایک دوسرے وجود اور حقیقت کا حامل ہے جو وجود ظاہری کے پس پردہ پوشیدہ ہے اور معمولی نگاہ اور ادراک سے دور ہے، قرآن وجود باطنی میں ہر طرح کی تجزیہ و تحلیل سے عاری ہے نہ اسمیں جزء ہے نہ فصل، نہ آیت نہ سورہ، بلکہ ایک وحدت حقیقی سے باہم ملا ہوا اور مستحکم ہے جو عالی مقام پر استوار ہے اور سب لوگوں کی دسترس سے بعید ہے، قرآن کے دو وجود ہیں ایک ظاہری جو الفاظ کے قالب میں ہے اور دوسرا وجود باطنی جو اپنے اصلی مقام میں ہے، قرآن شب قدر میں اپنے وجود باطنی اور اصلی کے ساتھ یکجا قلب پیغمبرؐ پر نازل ہوا اور اس کے بعد تدریجی طور پر مکمل مدت نبوت میں نازل ہوا"۔[3]

۱۔ تفسیر صافی، ج۱، ص ۴۳
۲۔ سورہ اسرا، آیت ۱۰۶
۳۔المیزان، ج۲، ص۱۵۔۱۶

منابع و مآخذ

قرآن مجید

صحیفہ کاملہ، ترجمہ مفتی جعفر حسین

❖ ابن بابویہ، محمد بن علی، **الخصال**، تحقیق: علی اکبر غفاری، جامعہ مدرسین، قم، ۱۳۶۲ش

❖ ابن حجاج، مسلم، **صحیح مسلم**، تحقیق: محمد فواد عبدالباقی، بیروت

❖ ابن حنبل، احمد، **مسند الامام احمد بن حنبل**، مؤسسہ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۹ق

❖ حر عاملی، محمد بن حسن، **وسائل الشیعۃ**، مؤسسۃ آل البیت، قم، ۱۴۰۹ق

❖ راغب اصفہانی، حسین بن محمد، **المفردات فی غریب القرآن**، دار القلم، بیروت، ۱۴۱۲ق

❖ ری شہری، محمدی، **میزان الحکمۃ**، مکتب الاعلام الاسلامی، قم، ۱۳۷۲ش

❖ زمخشری، جاراللہ محمود، **الکشاف فی حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التأویل**، دار الکتب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ق

❖ سیوطی، جلال الدین، **الاتقان فی علوم القرآن**، دار الندوۃ، بیروت

❖ سید بن قطب بن ابراہیم الشاذلی، **فی ظلال القرآن**، دار الشروق، بیروت، ۱۹۶۸م

❖ شیخ صدوق، **عیون اخبار الرضا**، دار الکتب الاسلامیہ

❖ صدوق، ابو جعفر، **الاعتقادات**، کتابستان، قم، ۱۳۹۹ش

❖ طباطبایی، محمد حسین، **المیزان فی تفسیر القرآن**، ترجمہ: سید محمد باقر موسوی ہمدانی، دفتر انتشارات اسلامی، قم، ۱۳۷۴ش

❖ طبرسی، فضل بن حسن، **جوامع الجامع فی تفسیر القرآن الکریم**، مکتبہ الکعبہ، تہران، ۱۳۶۲ش

❖ طوسی، محمد بن الحسن، **تہذیب الأحکام**، تحقیق: حسن موسوی خرسان، دار الکتب الإسلامیہ، قم، ۱۴۰۷ق

❖ فیض کاشانی، محمد محسن، **التفسیر الصافی**، مکتبۃ الصدر، قم، ۱۴۱۶ق

❖ کلینی، محمد بن یعقوب، **الکافی**، تصحیح: علی اکبر غفاری، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۶۳ش

❖ محمد باقر مجلسی، **بحار الانوار**، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۳م